علامہ اقبالؒ اور تصوّف

حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ بیک وقت ایک شاعر، فلسفی، سیاست دان نباض فطرت، صاحب علم اور صاحب نظر تھے۔ واقف اسرار مشرق بھی تھے اور دانائے رموز مغرب بھی۔ غرض یہ کہ ان کی شخصیت جامع کمالات ہے ان کا پیغام نہ صرف مسلمانان ہند کو بلکہ مسلمانان عالم کو زندگی کے اسرار و رموز اور اس کی اصل حقیقت سے روشناس کراتا ہے۔ اس کے پیغام کا ماخذ اور سرچشمہ قرآن اور اسلام ہے اور اسلام کا خدا رب العالمین ہے اس کا رسولؐ رحمۃ للعٰلمین ہے اور اس کا قرآن ذکر للعٰلمین ہے۔ پس ایسے خدا ایسے رسولؐ اور ایسی کتاب پر ایمان رکھنے والا اقبال ایک خاص فرد کے لئے پیغام کیسے دیتا بلکہ انھوں نے تو سارے عالم کیلئے پیغام دیا ہے۔

• ڈاکٹر سیدہ رقیہ لکچرار شعبہ فارسی کشمیر یونیورسٹی سرینگر

Scanned with Oken Scanner

علامہ اقبال نے اپنی شاعری کا موضوع انسان کو بنایا اور انسانیت کے مسائل کو حل کرنا اپنی شاعری کا مقصد قرار دیا۔ وہ ساری انسانیت کا شاعر ہے ان کے نغمہ شاعری کی آواز صرف کوہِ ہمالیہ سے ٹکرا کر نہیں رہ گئی بلکہ سمندروں، پہاڑوں اور دریاؤں کو طے کرتے ہوئے دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک پہنچ گئی۔

علامہ اقبال نے اسلام کو انسانیت کے لئے سب سے بہتر نظام اسلئے نہیں قرار دیا کہ وہ ان کا مذہبی نظام ہے بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے امتیاز رنگ و نسل کو مٹایا ہے اور خاندانی اور قبائلی تفاخر کو قابل نفرت ٹھہرایا ہے۔

اسلام ساری انسانیت کیلئے پیغام لایا ہے اور اس پیغام کیلئے ضروری ہے کہ وہ کالے، گورے، غلام و آقا، جابر و مجبور، مفلس و دولتمند کے فرق کو بالکل مٹادے اور ہر انسان کی صرف اسلئے عزت کرنا سکھائے کہ خدا نے اسے انسانیت کے شرف سے مشرف کیا ہے۔

علامہ اقبال نے دنیا کے سامنے اسلام کی تعلیمات کو اُس محبت کی بناء پر پیش کیا جو انہیں عام انسانیت سے تھی اور ان کا یہ ایمان تھا کہ اگر دنیا کی قومیں تعصب اور تنگ نظری کی عینک اُتار کر اسلامی تعلیمات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو انہیں اپنے درد کا درماں اس میں ملے گا۔

علامہ اقبال اسلامی تعلیمات کو اسلئے بھی دنیا کی مصیبتوں کا حل سمجھتے ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو حقیقی مادی زندگی سے گریز نہیں سکھاتا بلکہ اخلاقی اقدار و مقاصد کی طرف دعوت دیتا ہے۔ دوسرے مذاہب کی طرح وہ اپنے پیروں کو آفاق میں گم ہو جانے کی تلقین نہیں کرتا بلکہ آفاق کو خود میں جذب کرنے کی سمت دلاتا ہے۔

Scanned with Oken Scanner

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ علامہ اقبال کو ابتداء میں صوفیانہ ماحول ملا۔ نہیں پیروں اور فقیروں سے بڑی عقیدت تھی اور سلسلہ قادریہ میں بیعت بھی تھے۔ ابتداء میں ان کو وحدۃ الوجود سے کافی لگاؤ تھا اور اس کا اثر ان کی شاعری پر بھی پڑتا رہا۔ لیکن "اسرار خودی" کی تالیف کے بعد انکے تصوف اور عام تصوف میں فرق پایا گیا جب تصوف شریعت کے حدود میں ہے تو اس کی اہمیت اقبال تسلیم کرتے ہیں لیکن جب یہ تصوف شریعت سے نکل کر طریقت کی وہ راہ اختیار کرتا ہے جہاں وہ زندگی سے بیزاری کا درس دیتا ہے تو علامہ اقبال اسکے معترض بن جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حافظ کی شاعری میں تصوف پر اعتراضات کئے تھے۔ کیونکہ حافظ کی شاعری میں وہ سرمستی ہے جو قاری کو سُلاتی ہے اس سے زندگی کا ولولہ جاتا رہتا ہے ساتھ ہی اس میں فنا کا درس بھی موجود ہے۔

علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں اگرچہ حافظ کا بھی بہت اثر قبول کیا تھا جس کا ثبوت ہمیں پیام مشرق کے "مئے باقی" اور جاوید نامہ کے اشعار سے بخوبی ملتا ہے۔ لیکن ایک بات ضرور ہے جس کی وجہ سے اقبال حافظ سے نہیں بلکہ ان کے تصوف کے فلسفہ پر معترض ہوئے تھے اسلئے کہ انہوں نے اسکے اُس فلسفہ میں کوئی جہد و عمل کا پیغام نہیں دیکھا اور اسی طرح افلاطون کا فلسفہ بھی انہیں بے عملی کا ایک مجموعہ نظر آیا۔ جس میں انسان کو یاس اور زندگی سے نا امیدی کے سوا اور کوئی درس نہیں ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے حافظ اور افلاطون کو بز دگوسفند کے ناموں [illegible] اشعار ملاحظہ ہوں۔

راہب اول افلاطون حکیم
از گروہ گوسفندان قدیم
گوسفندے در لباس آدم است
حکم او بر جان صوفی محکم است

ہوشیار از حافظ صہبا گسار
جامش از زہر اجل سرمایہ دار
آں فقیہہ ملت می خوارگاں
آن امام ملت بے چارگاں
گوسفند است و نوا آموخت است
فتنۂ ناز و ادا آموخت است
دلربائی ہائے او زہر است و بس
چشم او غارت گر شہر است و بس
بے نیاز از محفل حافظ گزر
الحذر از گوسفندان الحذر

مذکورہ بالا اشعار علامہ اقبال نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "اسرار خودی" کے پہلے ایڈیشن کے دیباچے میں تحریر فرمائے تھے لیکن اس پر نہ صرف صوفیہ بلکہ علامہ کے بعض دوسرے ارباب ذوق بھی مشتعل ہوئے۔ اس وقت لوگوں کے ذہنوں میں عجمی تصوف رچ بس گیا تھا اور تصوف کی مذمت گویا مذہب کی مذمت تصور کی گئی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ عام لوگوں کو خواجہ حافظ سے بے حد عقیدت تھی۔ وہ لسان الغیب کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ بلکہ بعض لوگ تو انہیں ولی کامل بھی تصور کرتے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر علامہ کی شخصیت پر نارو ا اور نازیبا حملے کئے گئے۔ پیرزادہ مظفر الدین نے "راز بے خودی" کے نام سے اپنی مثنوی لکھی جس میں علامہ پر نازیبا حملے کر کے اسے دشمنِ اسلام کا نام دیا۔ بہر حال علامہ اقبال نے چار و ناچار اسرار خودی کی اشاعتِ ثانی سے حافظ سے متعلق اشعار اور دیباچہ حذف کر دیئے چنانچہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حافظ محمد اسلم جیراجپوری کو اپنے خط محررہ ۱۷ مئی ۱۹۱۹ء میں

Scanned with Oken Scanner

تحریر کیا ہے۔

"خواجہ حافظ پر جو اشعار میں نے لکھے تھے ان کا مقصد محض ایک لٹریری اصول کی تشریح اور توضیح تھا۔ خواجہ حافظ کی پرائیویٹ شخصیت یا ان کے معتقدات سے سرکار نہ تھا مگر عوام اس باریک امتیاز کو سمجھ نہ سکے اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر بڑی لے دے ہوئی۔ اگر لٹریری اصول یہ ہو کہ حسن حسن ہے خواہ اسکے نتائج مفید ہوں خواہ مضر تو خواجہ دنیا کے بہترین شعراء میں سے ہیں۔ بہر حال میں نے وہ اشعار حذف کر دیئے ہیں اور ان کی جگہ اِس لٹریری اصول کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے جسکو میں صحیح سمجھتا ہوں۔۔۔۔ دیباچہ بہت مختصر تھا اور اپنے اختصار کی وجہ سے غلط فہمی کا باعث تھا۔۔۔۔ کیمرج کے پروفیسر نکلسن بھی اس خیال میں آپ کے ہمنوا ہیں کہ دیباچہ دوسرے ایڈیشن سے حذف نہ کرنا چاہیئے تھا۔۔۔۔ پیرزادہ مظفرالدین صاحب نے میرا مقصد مطلق نہیں سمجھا۔ تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے (اور یہی مفہوم قرون اولیٰ میں اس کا لیا جاتا تھا) تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا ہاں جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظام عالم کے حقائق اور باری تعالےٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔"

حق تو یہ ہے کہ علامہ اقبال کو اولیاء اور صوفیائے کرام سے گہری عقیدت تھی لیکن جہاں کہیں علامہ کو اُن کے فکر و نظر کا کوئی پہلو غیر اسلامی اور فنا فی حیات دکھائی دیتا ہے وہاں وہ بے باکانہ مخالفت بھی کرتا ہے۔ انہوں نے ایران کے صوفیاء کرام کے روایتی تصوف جسکی بنیاد نفس کشی، عزلت گزینی ترک دنیا اور گوشہ نشینی پر مشتمل ہے کی سخت مخالفت کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

تمدن، تصوف، شریعت کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام

ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

ہے شعرِ عجم گرچہ طربناک و دلاویز
اس شعر سے ہوتی نہیں شمشیرِ خودی تیز

علامہ اقبال نے قرآن کریم اور احادیث پاک کی روشنی میں ایران و عجم کے روایتی تصوف کو غیر اسلامی قرار دیا۔ کیونکہ اسلام از سرتاپا پیغام عمل ہے جس نے رہبانیت نفس کشی اور ترک دنیا تینوں کو مذموم اور خلاف فطرت قرار دیا ہے۔

چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ علامہ اقبال کے پاس زندگی کی تمام بنیادی صداقتوں کی کسوٹی قرآن ہے اور تصوف میں سے بھی اس نے وہی چیزیں اخذ کی ہیں۔ جن میں قرآنی نظریۂ حیات کی وسعت اور گہرائی دکھائی دیتی ہے۔ علامہ کی توحید قرآنی ہے جو فلسفیانہ اور متصوفانہ وحدۃ الوجود سے متاثر ہے بعض مصنفین نے اسے وحدۃ الوجود کے مخالف اور وحدت الشہود کے قایل تسلیم کیا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ آخری ایام میں اُن کا رویہ وحدۃ الوجود کے تئیں نرم رہا لیکن پھر بھی وہ آخری عمر تک وحدۃ الشہود پر قائم رہے۔ اسرارِ خودی کے لکھنے کے وقت علامہ کے ہاں وحدۃ الوجود کی مخالفت ملتی ہے اور آخری تحریروں میں جس کی ابتداء پیام مشرق سے ہوئی تھی۔ وحدت الوجود کی موافقت اور تائید ملتی ہے۔ پیام مشرق میں فرماتے ہیں ؎

گرا جوئی چرا در پیچ و تابی | کہ او پیدا است و تو زیر نقابی
تلاش او کنی جز خود نہ بینی | تلاش خود کنی جز او نیابی

اس کے علاوہ علامہ نے گلشن راز کے نو سوالوں کے جواب لکھے ہیں اور اسکا نام گلشن راز جدید رکھا ہے۔ اس میں بیان شدہ جوابات سے علامہ کے وحدۃ الوجود کے بارے میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی ہے۔ لیکن پھر بھی جہاں تک ان کی

دیگر تمام تصانیف کا تعلق ہے ان میں علامہ جا بجا وحدۃ الشہود کے قایل اور وحدۃ الوجود کے مخالف نظر آتے ہیں۔ وحدۃ الشہود میں قطرہ دریاء میں فنا نہیں ہوتا بلکہ قطرہ خود دریاء کی پنہائیوں کا متلاشی ہوتا ہے۔ چند اشعار ملاحظ ہوں۔

خودی جلوہ بدست و خلوت پسند

سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

این پستی و بالائی این گنبد مینائی

گنجد بہ دلِ عاشق با این ہمہ پنہائی

علامہ اقبال نے مولانا روم کو اپنا مرشد معنوی چن لیا اور اپنے کلام میں انہیں پیر رومی کے نام سے یاد کیا اور خود کو مرید ہندی کہکر پکارتے ہیں صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے مثنوی ' اسرار خودی ' مولانا روم کی مثنوی سے ہی متاثر ہوکر لکھی۔ چنانچہ اس میں اسی بحر کا استعمال کیا ہے۔ جس بحر میں مثنوی رومی دستیاب ہے۔ یوں تو اقبال کی ہر تخلیق میں عموماً رومی چھایا ہوا ہے لیکن جاوید نامہ ' میں اس کی پرچھائیاں زیادہ ہیں اور زیادہ نمایاں بھی ہیں۔ علامہ رومی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

من چہ گویم وصف آں عالی جناب

نیست پیغمبر ولی دارد کتاب

لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ علامہ اقبال نے جہاں مولانا رومی کو اپنا مرشد معنوی تسلیم کیا وہاں ان کے تصوف کے تصورات، سے گریز کیا۔ کیونکہ مولانا رومی ایران کے روایتی تصوف کے قائل تھے جس میں فنافی اللہ کا نظریہ بدرجہ اتم موجود ہے اور اس نظریہ کو مولانا نے اپنی مثنوی کے آغاز میں جب ان کی ' نے ' ، انجام کار نیستان میں شامل ہوجاتی ہے۔ برملا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

Scanned with Oken Scanner

ہر کسی کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

تو گویا قطرہ دریاء میں گرنے کیلئے ہر آن تڑپتا رہتا ہے لیکن علامہ کی خودی کا قطرہ دریا میں شامل نہ ہو کر اپنے آپکو برقرار رکھتا ہے۔

مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ علامہ اقبال کے یہاں وہ تصوف ملتا ہے جس میں فنا کا درس نہیں بلکہ ان کا یقین ہے کہ عاشق اور معشوق کا وجود بیک وقت ضروری ہے ان کی شاعری خواب سے بیدار کرتی ہے اور نیند کا خمار توڑتی ہے۔ ان کی عاشقی خواجہ حافظ کی طرح خود سپردگی اور خود فراموشی کی داعی نہیں بلکہ جہد و عمل کا پیغام ہے جیسا کہ خود علامہ نے اس مقطع میں کہا ہے۔

ز شعر دلکش اقبال می توان دریافت
کہ درس فلسفہ می داد و عاشقی ورزید

انکے یہاں وصل کے بجائے فراق پر زور ملتا ہے کیونکہ وصل میں فرد کی خودی فنا ہوجاتی ہے اور فراق کے سوز و ساز میں اسکی چنگاری روشن رہتی ہے۔

علامہ اقبال کا تصوف فنا کا قائل نہیں۔ چنانچہ ان کے ایسے پورے خیالات ان کے انگریزی لکچروں میں ملتے ہیں۔ ان کے ایک لکچر میں مولانا عبد القدوس گنگوہی کا ایک قول نقل ہوا ہے۔ مولانا گنگوہی نے کہا تھا کہ محمد رسول اللہ ؐ کو معراج نصیب ہوا اور وہ اس دنیا میں واپس تشریف لے آئے اگر ان کو یعنی گنگوہی کو معراج کی سعادت حاصل ہوتی تو وہ واپس نہ آتے ظاہر ہے کہ مولانا گنگوہی کا نقطۂ نظر ایک صوفی کا نقطہ نظر ہے جو فنا فی اللہ کا قایل لیکن پیغمبرؐ یا نبی کا کام دنیا میں اگر خدا کے کام کو پھیلانا اور انسانوں میں انقلاب لانا ہے تو گویا علامہ کے اس قول

سے اس بات کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ وہ انسان کو دنیا سے گریز کی تلقین
نہیں فرماتے بلکہ انسان کو اس پوری کائنات کو مسخر کرنے کا درس دیتے ہیں
جو وحدۃ الشہود کے نظریۂ کے عین مطابق ہے۔

Scanned with Oken Scanner